حافظ صفوان محمد چوہان☆

''پوشیدہ تری خاک میں......'': ایک مطالعہ

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب کا سفرنامۂ اندلس ''پوشیدہ تری خاک میں......'' پڑھا۔ جو چند باتیں فوری طور پر ذہن میں جگہ پا گئی ہیں، اُنھیں ایک امانت خیال کرتے ہوئے معرضِ تحریر میں لانے کی کوشش کر رہا ہوں۔

سب سے پہلی اور نمایاں بات تو یہ ہے کہ پونے تین سو صفحات کے اِس سفرنامے میں، جو کہ سرزمینِ یورپ کے دو ممالک کے سفر کی روداد ہے، ایک جگہ پر بھی کوئی خاتون در نہیں آئی -- نہ اِشارتاً نہ صورتاً۔ یہ بات نمایاں اِس لیے ہے کہ اردو میں سفرنامہ لکھنا جب سے ''صنعت'' کی شکل اختیار کر گیا ہے، Marketing کا یہ اُصول کہ ہر چیز کی تشہیر عورت کے ذریعے سے ہو، ہر سفرنامے کا بنیادی جزو بن گیا ہے۔ ہر سفرنامے کے بالعموم ہر دوسرے صفحے پر کسی اصلی یا خیالی نامحرم خاتون کا چٹخارے دار ذکر ہوتا ہے۔ کچھ ایسے شیر دل سفرنامہ نگار بھی موجود ہیں جو اِس صفت سے متصف اپنے سفرناموں کا انتساب بھی اپنی بیگمات کے نام کرتے ہیں۔ خیر، یہ تو جملۂ معترضہ تھا۔ میں اپنے نہایت محدود مطالعے کی روشنی میں دورِ حاضر میں لکھے گئے صرف ایک سفرنامے، 'جہانِ دیدہ' کو اِس علت سے پاک پاتا ہوں جس میں سفرنامے کے تمام ادبی لوازم بھی موجود ہیں اور معلومات کا تنوع اور رنگارنگی بھی، جب کہ مذکورۂ بالا ''تشہیری عنصر'' سے اِس کا دامن آلودہ نہیں ہے۔ میرے مطالعے میں آنے والا دوسرا سفرنامہ اِس باب میں یہی ہے۔

ہاں! سفرنامۂ حج وعمرہ کا مسئلہ بالکل مختلف ہے۔ جو قلم کار حج یا عمرہ کا سفر کرتے ہیں اُنھیں عموماً اِس مخلوق سے پالا نہیں پڑتا۔ لیکن یہ صرف اِس سفر کا اعجاز ہوتا ہے، وگرنہ اُنھی میں سے کسی کے کسی دوسرے سفر کی روداد پڑھ لیجیے، یہ مخلوق ہر ہر قدم پر دامن گیر ملے گی، الا ماشاءاللہ۔ حدیثِ پاک میں جن کم تر نیت کو لے کر عازمِ سرزمینِ حجاز ہونے والے لوگوں کو نامزد کیا گیا ہے، اُن میں نام ونمود کی طلب والے لوگ بھی شامل ہیں۔ فی زمانہ شاید اِن لوگوں سے ''سفرنامۂ حج وعمرہ نویس'' ہی مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

دوسری بات جو اِس سفرنامۂ اندلس میں ہر ہر سطر سے عیاں ہے، شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبالؒ کی محبت کی بکھری ہوئی خوشبو ہے۔ ایک اقبال شناس جب اقبال کے خوابوں کی سرزمین، اندلس میں اقبال ہی کے حوالے سے جمع ہونے والے عالم بھر کے اقبال شناسوں میں ایک مقالہ پڑھنے کے لیے مدعو ہوگا تو ہر حوالہ اقبال ہی کو مشیر ہونا چاہیے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا

☆سینئر لیکچرر/ ڈویژنل انجینئر، ٹیلی کمیونیکیشن سٹاف کالج ہری پور۔ hafiz.safwan@gmail.com

ہے۔ پوری کتاب میں ایسی جگہ شاذ کے حکم میں ہے جہاں اقبال کے کسی شعر یا فلسفیانہ خیال کا استعمال آورد معلوم ہوتا ہو۔ کئی مصرعے تو ایسے برجستہ استعمال ہوئے ہیں کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

سفرناموں میں طویل نویسی کی ایک ٹیکنیک یہ بھی ہوتی ہے کہ معلومات کا تذکرہ کرنے کے بجائے قاری کو معلومات کے بوجھ سے لادنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ میں ایک سفرنامۂ حج کا ذکر مثال کے طور پر کروں گا۔ جن لوگوں کو اللہ نے حج کی سعادت نصیب فرمائی ہے وہ یہ ضرور جانتے ہیں کہ جنت البقیع کا سارا علاقہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک کی طرف ہے۔ اِس میں ایک مختصر لمبائی کا احاطہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ میں سے نو اَزواجِ مطہراتؓ کی قبریں ہیں جو آپس میں اِس قدر قریب ہیں کہ ایک دوسری میں تقریباً پیوست ہیں۔ اِس باب میں علم معدوم ہے کہ یہ قبریں کس ترتیب سے ہیں۔ ہمارے ایک قلم کار کے سفرنامۂ حج کا تقریباً بیس فی صد حصہ اَزواجِ مطہراتؓ کی قبور پر فاتحہ خوانی کی روداد پر مشتمل ہے۔ اور بہت سی باتوں کے علاوہ ہر اُم المومنینؓ کی حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کی تفصیل اور اُن کے اور اُن کے خاندان کے فضائل اور بعض تاریخی واقعات بھی فاتحہ خوانی کے اس موقع پر بیان کیے گئے ہیں۔ پیرایۂ اظہار اِس تخصیص اور صراحت کے ساتھ یوں ہے کہ ''میں [فلاں] ام المومنینؓ سے اجازت لے کر [فلاں] ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوا.....'' Pedantry کا عالم یہ ہے کہ موصوف نے سفرنامے کے ہر باب کا عنوان کسی مصرعے سے باندھنے کا التزام کیا ہے، گو وہ مصرع کتنا ہی غیر معروف اور غریب ہو۔ آمدم برسرِ مطلب۔ ''پوشیدہ تری خاک میں.....'' کے مطالعے کے دوران میں مجھے طویل نویسی اور قاری کو معلومات کے بوجھ سے لادنے کی ایسی کوئی کوشش کسی ایک جگہ پر بھی نہیں ملی۔ رواں دواں انداز میں بات سے بات نکلتی چلی جاتی ہے، اور ہر بات ایک منطقی ترتیب میں ہے۔ جو بات کہنے کی ہے، صرف وہی کہی گئی ہے۔ لیکن ایک بات ضرور عرض کروں گا کہ کچھ چیزیں بلاضرورت محسوس ہوتی ہیں، جیسے ایک جگہ پر دفتری سیاست کا اور ایک اور جگہ پر ملکی سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کا اقبالیات کے حوالے سے مختصر مختصر تذکرہ، گو یہ زیادہ بوجھل بھی نہیں ہے۔

رہا Pedantry کا سوال -- یہ بات واضح ہے کہ جب ایک شخص ایک ایسے سفر کی روداد بیان کرے گا جو اُس کے خوابوں کی سرزمین میں ہوا، تو اُسے اِس بات کا کہاں ہوش ہوگا کہ اندازِ بیاں، جملوں کی بُنت اور الفاظ کے چناؤ پر توجہ دے۔ وہ تو بلاتمنائے ستایش و کلمۂ تحسین اپنی کہے چلا جائے گا۔ اِس فحوائے کلام کو دل کی آواز کہتے ہیں۔ ''پوشیدہ تری خاک میں.....'' میں ہر جگہ یہی انداز ہے۔ مجھے یہاں ہٹلر کی خودنوشت سوانح Mein Kampf [میری جدوجہد] سے ایک بات یاد آ رہی ہے۔ اُس نے ایک جگہ پر لکھا ہے کہ اگر دشمن کا کوئی جاسوس پکڑا جائے تو راز اُگلوانے کے لیے اُسے زمین پر ننگے پاؤں کھڑا کر کے دونوں میں سے کسی ایک پاؤں کی سب سے چھوٹی انگلی پر بوٹ کی ایڑی رکھ کر پوری قوت سے گھوم جاؤ۔ ایک چیخ کے ساتھ اُس کی ایک انگلی نکل جائے گی۔ یہ بے اختیار چیخ اُس کی مادری زبان میں ہوگی۔ یہ مثال یہاں پر شاید نادرست اور بے موقع ہے لیکن میرا اِس سے مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ یہ پورا سفرنامہ ہی، کم وبیش، ایک ایسا ہی بے اختیار اور تصنع سے پاک اظہارِ واقعہ ہے۔

سفرنامے پر اپنے ابتدائیے ''حرفِ اوّل'' میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب نے ایک بڑی کمال کی بات کہی ہے

جو اگر مکمل بیان نہ کی جائے تو میرا بیان ناقص رہے گا۔ فرماتے ہیں:

''میں ہسپانیہ میں مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں کسی رومانوی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوں۔ ''اندلس میں چند روز'' کے مصنف جسٹس محمد تقی عثمانی کی ایک بات دل کو لگی۔ وہ بتاتے ہیں کہ اختتامِ سفر پر ایک ساتھی نے سوال کیا: ''کیا کبھی مسلمان اِس خطے کو دوبارہ ایمان سے منور کر سکیں گے؟'' عثمانی صاحب کا جواب بہت حقیقت پسندانہ تھا: ''اِس وقت تو مسلمان اپنے موجودہ خطوں کو ٹھیک سے سنبھال لیں تو بہت ہے کہ وہاں اندلس کی تاریخ نہ دُہرائی جائے۔''

بہت سی چشم کشا باتیں بھی معلومات میں اضافے کا سبب بنیں۔ جہاں ایک طرف ابنِ رشد اور ابنِ حزم وغیرہ مفکرین کے ایسے خیالات جو امتِ مسلمہ کے سوادِ اعظم کے عقائد سے بالکل مختلف بلکہ اہلِ کفر کے خیالات کے مماثل ہیں اور اُن کے بارے میں ایسی باتیں علم میں آئیں جن سے ہم لوگ بُعدِ مکانی کی وجہ سے لاعلم ہیں، اور ان کے معلوم ہو جانے پر دل میں خفگی پیدا ہوئی، وہیں دوسری طرف مرحوم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے حقیقت بینی پر مشتمل خیالات اور فرانس کی لائبریری میں سیکڑوں طلبہ و طالبات کے یکسوئی سے مطالعے میں محو ہونے کے بیان نے بے حد متاثر کیا۔ یونیورسٹی میں تعلیم کا آغاز علی الصبح ہونا اور طلبہ و طالبات کا شوق و لگن کے ساتھ وقت پر پہنچنے کی فکر میں ہونا جہاں مصنف کو حیران کن اور کیف آور لگا وہاں مجھے بھی ایک ایسا پر لطف منظر لگا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔

یہ بات قابلِ لحاظ ہے اور قابلِ رشک بھی، اور قابلِ صد افتخار بھی کہ یہ سفر نامہ جناب رشید حسن خاں کے مجوزہ املا کے مطابق لکھا گیا ہے جو بہت ہی احسن بات ہے۔ اردو املا کی یکسانی کے لیے جناب رشید حسن خاں کی خدمات اور محنت کسی پیمانے سے ناپی تولی نہیں جا سکتیں، کہ ہر پیمایش کی کوئی حد ضرور ہوتی ہے۔ میں اِس بات سے بہت خوش ہوا کہ مجھے پاکستان میں شائع ہونے والی ایک ایسی کتاب پڑھنے کو ملی جس میں خاں صاحب کے تجویز کردہ اصولِ املا و رموزِ اوقاف کی ہر ممکن حد تک پابندی کی گئی ہے۔

مرحوم مشفق خواجہ صاحب نے اِس کتاب کے ابتدایئے ''تقدیم'' میں ذکر کیا ہے کہ اب سفر نامہ کوئی الگ صنفِ ادب نہیں رہی، اِسے افسانہ نگاری کا بدل بلکہ نعم البدل سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ اِس لیے کہ وہ واقعات بھی سفر نامے میں شامل ہو جاتے ہیں جو سفر کا حصہ نہیں ہوتے۔ عرض ہے کہ خواجہ صاحب ادب کے پارکھ ہونے کی وجہ سے ادب کی ایک صنف کا دوسری صنف سے موازنہ کر رہے ہیں جب کہ میں ٹیکنالوجی کی دنیا کا باشندہ ہونے کی بنا پر ادب کی اِس صنف یعنی سفر نامہ نگاری کا موازنہ ٹیکنالوجی سے کرتے ہوئے اِسے ایک باقاعدہ ''صنعت'' کہہ رہا ہوں۔ بات ایک ہی ہے۔ کہنے والوں نے اپنے اپنے شعبوں کی زبان استعمال کی ہے۔

مختصر یہ کہ ''پوشیدہ تری خاک میں......'' کے مطالعے کے دوران میں قاری اکیلا نہیں ہے بلکہ ہر لحظہ اُس مختصر قافلے کے ساتھ ہے جس میں امیرِ سفر جناب سہیل عمر جیسے دین دار آدمی ہیں، مرزا محمد منور مرحوم جیسے مرنجاں مرنج اقبالیات کے عالمِ بے بدل ہیں، اور ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی جیسے ''فنافی الاقبال'' استادِ ادب۔ دنیا بھر کے بڑے اور اہم اقبال شناسوں کے علاوہ مرحوم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب سے ملاقات بھی اِس سفر نامے کے قاری کو نصیب ہوتی ہے، جو میرے خیال میں اگر جناب رفیع الدین ہاشمی صاحب کے لیے ''حاصلِ سفر'' ہے تو قاری کے لیے ''حاصلِ مطالعہ''۔ زہے نصیب!